ڈاکٹر محمد یوسف خشک

سچل سرمست شاعرِ ہفت رنگ

Abstract: - *This article underlines the significance of classic literature in contemporary world literature. Common qualities of Sachal's work, comparing great poet of Urdu such as Wali, Mir Dard, Nazeer Akber abadi, Mirza Ghalib and Iqbal have been addressed and presenting seven colors of Sachal's Poetry in Sindhi, Urdu, and Seraiki on which the work of Sachal Sarmast describes through internal evidience is sparking and everlasting in the world classics.*

سات کے ہندسہ میں کیا فلاسفی اور طاقت ہے؟ اس کو بہتر طریقے سے تو کوئی ریاضی دان ہی بیان کرسکتا ہے، لیکن اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے کہ انسانوں سے لے کر اللہ تعالیٰ تک یعنی پوری کائنات کو یہ ہندسہ بہت عزیز ہے۔ سندھ میں دولہے دلہن کو شادی کے دن تمام بزرگ مرد اور خواتین انہیں سات بیٹوں کا ماں باپ بننے کی دعا دیتے ہیں، موسیقی کے بنیادی سر سات ہیں، ہفتے کے دن سات ہیں، انسان کے رہنے کے لیے زمین پر خشکی کے بڑے ٹکڑے (براعظم) سات ہیں، قدرت کو بھی یہ ہندسہ پسند ہے اسی لیے تو آسمان بھی سات ہیں، قرآن شریف کی منزلیں بھی سات ہیں، قرآن پاک کا دل کہلانے والی سورہ یاسین کی مبین بھی سات ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سچل سرمست نے بھی اپنی شاعری میں موضوع کے اعتبار سے سات نمایاں رنگ رکھے ہیں۔ ان ہی سات رنگوں کی نشاندہی پر یہ مقالہ مشتمل ہے۔

۱۔ سچل سرمست شاعرِ تصوف:

سچل سرمست کا زمانہ حیات ۱۷۳۹ء تا ۱۸۱۷ء تک محیط ہے۔ اردو شاعری میں تقریباً اسی زمانے تک تصوف کو جن شعرا نے اپنا موضوع بنایا اس میں ولی دکنی، میر درد اور مرزا غالب کے نام نمایاں ہیں۔ ان تمام شعراءِ اردو اور سچل سرمست نے خشک فلسفیانہ افکار و خیالات کو نہایت سادگی صفائی اور لطافت و شگفتگی کے

ساتھ زبانِ شعر میں ادا کیا ہے۔ تصوف ان کے نزدیک محض ایک نظریہ یا تصور نہیں بلکہ زندگی کا ایک تجربہ اور رویہ بن کر سامنے آیا ہے۔ وہ کائنات کو ایک صوفی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور وہ صوفی دہلی کا ہو یا دکن کا یا سندھ کا محسوسات ایک ہی ہیں، یکسانیت کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

ہر ذرۂ عالم میں ہے خورشید حقیقی
یوں بوجھ کہ بلبل ہوں ہر اک غنچہ وہاں کا

(ولی دکنی ۱۶۶۸ء۔۱۷۴۴ء)

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

(خواجہ میر درد ۱۷۱۹ء۔۱۷۸۵ء)

خدا کس جا نہیں چھپدا اللہ جگ لوک سارا ہے
نہ کوچے ناگلی چھپدا اللہ جگ لوک سارا ہے
جدھر جائیں یہ حاضر ہے اندر باہر بہ ناظر ہے
اکھین کھولو تو ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

(سچل سرمست ۱۷۳۹ء۔۱۸۱۷ء)

یا اسی طرح:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

(مرزا غالب ۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء)

اهو اتم ارمان چا منجهان هت چائي آيس
۱۔ جاکر ٿيس ، پاڻان پي سون، تا نه هيس صحيح سلطان

۲۔ هيس داناء ديس انهي ۾، هت نانءُ تيس نادان
۳۔ ڪوئي ڄاڻي ڪوئي سڃاڻي، اهو مردي جو ميدان
٤۔ بحر اواڳهه جي لهر لڪايو، ٿيو طرح نوين طوفان
٥۔ اصلئون ساڻ وٺي هت آيس، سورن جو سامان
٦۔ هڪ گهر ڪئون ٿي ٻي گهر آيس، محض آيس مهمان
٧۔ بحر اَتون جا لهر ايي ٿي، موٽي ٿيو مهراڻ
۸۔ سچو ڪي ڪيو ساعت ساعت، حيرت هن حيران (۲)

(سچل سرمست)

ترجمہ:

مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں پہلے کیا تھا اور جب یہاں (آدم کے لباس میں) آیا ہوں تو میری حالت کیا ہوگئی ہے۔
مجھے خود پر تعجب ہے کہ میں تو مالک تھا لیکن نہ جانے کیوں میں نے غلامی قبولی۔
عالم ازل میں بالکل دانا (عقلمند) تھا ادھر جب پہنچا، تو میرا نام اس کے برعکس نادان پڑ گیا۔
یہ راز وہ ہی پہچان سکتا ہے جو صاحب اعلیٰ عقل ہو۔
گہرے سمندر کی نچلی لہر شکل تبدیل کر کے، اوپری سطح پر نئی طوفانی صورت میں نمودار ہوئی ہے۔
جو میرے پاس تلخیوں کی بہتات ہے یہ سامان کی صورت اپنے لیے خود ازل سے لے کر آیا ہوں۔
روز ازل والے گھر کو چھوڑ کر یہاں میں مہمان کے طور پر ہوں۔

روز ازل جو بحر کی طرح ہے، وہاں سے ایک لہر اٹھ کر یہاں پہنچی اور واپسی میں مہران (دریائے سندھ) کی صورت اختیار کی (مفہوم یہ ہے کہ جس طرح سمندر سے آبی بخارات اٹھ کر بادل کی شکل میں کہیں دور جا کر سخت بارش کرتے ہیں وہ پانی پھر دوبارہ دریا کی شکل اختیار کر کے سمندر سے مل جاتا ہے بقول سچل کے اس کا وجود بھی اسی طرح، جہاں سے علیحدہ ہو کر یہاں آیا ہے بالآخر اپنی منزل کو پہنچ جائیگا)۔

یہ جو ازل اور ابد کے درمیان وحدت بننے کی کیفیات ہیں ان کیفیات نے سچل کے ہر لمحہ زندگی کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ سچل نے اس پوری کافی میں مفہوم کو مفصل بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے ابتدائی دو مصرعوں کے منظوم ترجمہ کے بعد صورتحال ملاحظہ ہو:

ترجمہ:

ہے مجھے افسوس یہی، یہاں کیا سے کیا ہو آیا ہوں
صحیح سلطانی چھوڑ کر نہ جانے، غلامی میں کیوں آیا ہوں

(سچل سرمست)

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

(مرزا غالب)

غالب کے شعر اور سچل کے ابتدائی دو مصرعوں پر غور کیجیے تو دونوں شعرائے کرام ایک ہی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے ملتے ہیں۔

بیسویں صدی میں خودی کے فلسفے کو اردو شاعری میں، بھرپور انداز میں علامہ اقبال متعارف کرواتے ہیں جبکہ یہی رنگ اٹھارویں/انیسویں صدی میں سچل اپنی شاعری میں بھرپور انداز میں پیش کرتے ہوئے ملتے ہیں دونوں شعرائے کرام کے پیغام میں یکسانیت کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا رازداں ہوجا خدا کا ترجماں ہوجا

(علامہ اقبال ۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء)

قطرو پاڻ نہ ڀانئج عاشق، ساروئي تون بحر سڏاء،
ٻئي جهان هڪو ڪر ڄاڻين، جلوو تنهنجو جاء بجا،
سچو آهين سر سبحاني ظاهر جو تون ناٺ وجاء (۳)

(سچل سرمست)

ترجمہ:

تو کبھی بھول کر بھی خود کو قطرہ نہ سمجھنا بلکہ خود کو بحر کہلوا
دو جہانوں کے تضاد سے نکل آ، ان کو ایک ہی جہاں سمجھ
تو تیرا جلوہ یکساں ہر جگہ تجھے نظر آئیگا

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کار ساز

(علامہ اقبال)

اگر اثبات کو جانو نہ ہرگز تم گدا ہوگا
یقین کر نہ گداگر ہو، لیکن خود خدا ہوگا (۴)

(سچل سرمست)

۲۔ سچل سرمست شاعر فطرت:

اردو شاعری میں شاعر فطرت کے حوالے سے ایک دم نظیر اکبرآبادی کا نام ذہن میں آتا ہے۔ نظیر کا نام اس لیے جلدی ذہن میں آتا ہے کہ اس عوامی اور فطرت کے شاعر کو اس وقت کے مشہور شعرا نے شاعر ماننے سے انکار کر دیا تھا، جس کا واضح ثبوت اس وقت کی تاریخیں یعنی تذکرے ہیں جن میں نظیر کا ذکر تک نہیں آتا، لیکن اُس وقت کے عوام اور دور جدید کے شعراء اور مورخوں نے نظیر کو ترقی پسند شاعر قرار دیا ہے۔ نظیر کی مشہور نظم برسات کی بہاریں پاکستان کے تقریباً یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے۔ سچل کی شاعری میں ''سارنگ'' کے عنوان سے ایک سر شامل ہے۔ دونوں شعرا کی طرف سے برسات کی موسم کا زحمت کے ساتھ

ساتھ رحمت کا منظر پیش خدمت ہے:

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا
گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا
باقی تھا اک اُسارا سو وہ بھی آن ٹپکا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(نظیر اکبرآبادی ۱۷۳۵ء۔۱۸۳۰ء)

اول آنڌي آئي، پويان هئي برسات،
رعد جي رڙين جي، ڀيٽي نہ هئي بات،
ويچارين، ورن جي وائي هيڙي وات،
مٿان وسڻ هيٺان چڪڻ، سيُ ميون سپ رات،
پرهہ ڦٽي پرڀات، ڪٽڪان ڪانڌين گڏيون (۵)

(سچل سرمست)

ترجمہ:

پہلی آئی آندھی پیچھے تھی برسات
رعد کے شور کا زور ابھی مدہم نہیں ہوا
جن کے شوہر گھروں سے دور تھے ان کی بے چاری بیویاں ان کو پکار رہی تھیں
مفلس لوگ جن کے گھر خستہ حالت میں تھے ان میں رہنے والی بے چاریاں چارپائی نہ ہونے کی وجہ سے زمین پر سو کر ساری رات سردی میں تڑپتی رہیں
جیسے ہی صبح نمودار ہوئی تو یہ عورتیں اپنے بچھڑے ہوئے شوہروں سے ملیں۔
اب دونوں شعرا کی زبانی بارش کی رحمت کا منظر بھی ملاحظہ ہو:

سارنگ ساري رات، رڻن مٿي ريج ڪيا،
پکين پرڙا سوئيا پرھ ڦٽي پريات،
پٽن تي پڌرا ٿيا، گل ڦل پانون پات،
سپ ڪنهن وائي وات، سچل سارنگ ساٺ جي (٦)

(سچل سرمست)

ترجمہ:

ساون کا موسم ساری رات خشک زمین کو سیراب کرتا رہا، پو پھٹنے کے وقت پرندوں نے اپنے پر جھاڑے اس کے ساتھ میدانوں پر طرح طرح کے پھول نمودار ہوئے، اے سچل (تو دیکھ) کہ ہر آدمی کی زبان پر ساون کے اِس برسنے کی رسم کی تعریفیں ہیں۔

کیا کیا رکھے ہیں یارب سامان تیری قدرت
بدلے ہیں رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت
تیتر پکارے ہیں سبحان تیری قدرت
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(نظیر اکبرآبادی)

۳۔ سچل سرمست شاعرِ انسانیت:

سچل کی شاعری کے مطالعے سے یہ صاف واضح ہوجاتا ہے کہ وہ دنیا کی تمام حد بندیوں اور مذاہب کی بنیاد پر موجود رشتوں سے آزاد دکھائی دیتے ہیں اور وہ صرف انسانی رشتے کو مقدس قرار دیتے ہیں۔ اس نظریے کا پرچار ان کے پورے کلام میں نظر آتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اتي ڪفر نه اسلام آهي سين ڪي سلام،
ڪڏھن ڏئي ڪين ڪي اھو آرانيو آرام،

مذھب مور نه مڃان آءُ مشرب منجھه مدام،
قيد ڀڃي ظاھر ٿيان آءُ جاري پيان جام،
ھادي سائين پاڙ سچو ڪي، عشق ڪيو انعام (٧)

ترجمہ:

جن لوگوں میں کفر اور اسلام کا تضاد نہیں (اور بغیر تضاد کے ایک ہیں) ان کو میں سلام کرتا ہوں یہی لوگ (امن پسند لوگ) ہیں جو کسی کو بھی تکلیف نہیں پہنچاتے

ان کی طرح میں بھی ایسا مشرب ہوں (عشق انسانیت کے نشے میں ہمیشہ رہنے والا) جو مذہب کے تضادات سے بالاتر ہے۔ میں تمام پابندیاں بالائے طاق رکھ کر پوری عمر اس نشے کو (محبت کے نشے کو) ترجیح دیتا ہوں کیونکہ سچل کو اس ہادی (ہدایت دینے والے یا مرشد) نے یہی عشق عطا کیا ہے۔

۴۔ دیہی زندگی کا عکاس سچل سرمست:

سچل سرمست کی شاعری میں دیہی زندگی کا رنگ اس حد تک بھرپور انداز میں موجود ہے کہ ان کے کلام کو سندھ کی دیہی زندگی کی تاریخ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کی شاعری میں دیہاتی ماحول کے ان تمام رنگوں کا ذکر موجود ہے جو جدید ٹیکنالوجی کی برکتوں سے یا تو ختم ہوگئے ہیں یا ہو رہے ہیں، ان تمام رنگوں کو سچل نے اپنی شاعری میں ایسا واضح قلم بند کیا ہے جو سب کچھ آنکھوں کے سامنے اور جاندار معلوم ہوتا ہے۔ اس میں سے ایک رنگ پیش خدمت ہے:

ٿلھہ: دم دم جا ديدار، اپر اسانجي نار تي
۱۔ ٻگا ڏاند ٻڌائون ٻيٺي، تن جي ڳالهه ڪريان آءُ ڪيھي،
وھن ڏارو ڏار، ڳاڏي جي ڳتڪار تي
۲۔ ياروني ھڪڙي، چڪريون ٻيٺي، آرا انهن جا آھن اھيٺي،
وھن بار و بار، لٺ جي للڪار تي
۳۔ ڦرھيون ونگڙون وھن اوياريون سونهن بابھہ موچاريون،
جهلڻ جا جهجهڪار تي، لوڻن واري ڏڪار تي

۴۔ ڏوڏي چونڪ جوئر جانسري، ڳنان تنهن جا ماکي مصري،
ڪيرن جا ٻه خمار، پيهن جي پونجار تي

۵۔ ڪاڳن ڪانگيرو وهين واهيرو، ڪٻرن ڳيرن ڪيو اچي گهيرو،
ڳوڙهن جا وسڪار، جهرڪن واري جهار تي

۶۔ نيسر پڙڇ ۾ آيو پاڻي، سنگر ٽيڙم سڄ ۾ سائي،
پوک پچي ٿي تيار، ڪم سچل جا ڪلتار تي (۸)

ترجمہ:

''وہ دیکھو پانی نکالنے والی چرخی، اس مقام پر سارا دن ہر لمحہ قابل دیدار ہے

خوبصورت دو سفید بیل جو اس چرخی کو چلا رہے ہیں ان کی میں کیا بات کروں

وہ گدی پر بیٹھے ہوئے شخص کی بیل ہانکنے والی مخصوص آواز پر اپنی اپنی جگہ چل رہے ہیں

لوہے کی گراریاں اور دیگر پرزے ایک ہی پرزے کے ساتھ منسلک ہیں جو لمحہ بہ لمحہ چلانے والی کی مخصوص آواز اور لاٹھی کے اشاروں سے رواں دواں ہیں

اس چرخی کا ہر ایک پرزہ جو خوبصورت آواز پر مشتمل ہے وہ آواز کی خوبصورتی کی طرح اپنا کام سرانجام دے رہا ہے۔

گدی پر بیٹھے ہوئے آدمی کی ہانکنے والی مخصوص آواز اور کنویں سے بھر کر نکلنے والے لوٹوں سے گرنے والے پانی کی آواز دونوں مل کر ایک غنائیت کا سماں پیدا کر رہی ہیں

فصل جوار کے گوشے اب نکلنے کو ہیں، جن کے تیلوں میں اب شہد اور مصری جیسی مٹھاس پیدا ہو گئی ہے، اس موسم میں دودھ بھی وافر مقدار میں ہے، اس لیے ہر پینے والے پر ایک خمار چھایا ہوا ہے، جس کی وجہ سے فصل کی حفاظت کرنے والا آدمی بھی خوشی اور مستی کے عالم میں ہے

اس فصل کے دانیدار پھولوں (سنگ) کو، کوا، مینا، چڑیا، ہدہد وغیرہ چگنے لیے کوشاں ہیں، جب کہ مٹی

کے گولوں کو مخصوص غلیل میں ڈال کر ان کو بھگانے کی کوششیں بھی جاری ہیں

کھیت جو چرخی کی بدولت آخر تک سیرآب ہوئے اور فصل پک کر تیار ہو گئی ان سارے مشکل مراحل کی تکمیل اللہ تبارک تعالیٰ (جو بہترین رہنما اور سب کا مشکل کشا ہے) کی مہربانی کا نتیجہ ہے''۔

۵۔ سچل سرمست بطور زبان دان:

مختلف زبانوں میں موجود کلام سچل سرمست بذات خود اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کو کافی زبانوں پر عبور تھا اور مطالعہ کلام سے مزید واضح ہوتا ہے کہ، آپ کے پاس ان زبانوں کا وسیع ذخیرہ الفاظ بھی موجود تھا۔ مختلف زبانوں پر عبور، وسیع مشاہدے، مطالعے کی بدولت آپ نے جس بھی زبان میں شاعری کی ہے اس کے ذخیرے میں نئے الفاظ تشبیہات اور استعاروں کا اضافہ فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کو جدید انداز میں استعمال کرنے کی بھی مہارت رکھتے ہیں۔

مون ۾ آهين تون، تون ۾ آهيان مان،
بجلي بادل سان آهي جيئن سپرين (۹)

ترجمہ:

مجھ میں ہے تو، تجھ میں ہوں میں
دلبر! جیسے بجلی بادل میں

پارٺون پرين جي پور اهوئي، مونکي اوچتو پيو،
سچو عشق سائين جو آهي، جيئن انڌاري ٻري ڏيئو (۱۰)

ترجمہ:

''میرے محبوب کی طرف سے اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ دل میں عشق خدا کی مثال اس طرح ہے جیسے اندھیرے میں چراغ جل رہا ہو۔''

۶۔ **سچل سرمست شاعر جدوجہد:**

سچل کی نظر میں زندگی تحرک اور جدوجہد کا دوسرا نام ہے، جہاں جدوجہد اور تحرک نہیں وہاں جمود اور موت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستقل جستجو، ہمت اور با حوصلہ رہنے کی تلقین سچل سرمست کی شاعری میں جگہ جگہ موجود ہے۔

متان ويهي ماٺ ڪري،جَلهي جُلندي جُل،
هيئين ويهه نه هل تان ڪي پڇين پنڌ کي (۱۱)

ترجمہ:

خبردار کبھی سستی سَر پر سوار نہ ہونے دینا (تمہیں بیدار رہنا ہے)
اس راستے پر پہنچنے کی کوشش کرو جو تمھیں منزل کی طرف لے جائیگا

اٿي ڪمر ٻنڌ لوچ ته لهين سپرين،
هاڙي وارو هنڌ ڏسين آڪڙين سان (۱۲)

ترجمہ:

منزل مقصود کو نظر میں رکھ کر، اٹھو کمر باندھو اور جدوجہد کے
سفر میں شامل ہو کر اپنی منزل خود تلاش/حاصل کرو۔

۷۔ **سچل سرمست شاعر مستقبل (قیافہ شناس)**

ہر عظیم شاعر کی ایک یہ بھی خوبی ہوتی ہے کہ وہ ماضی حال کے ساتھ مستقبل سے بھی جڑا ہوا ہوتا ہے، کیونکہ ہر عظیم مفکر ہر دور کے لیے معالج ہوتا ہے۔ وہ ظاہری سچائیوں کو جیسی ہیں ویسی پیش کرنے کے بجائے استعاراتی اور علامتی انداز میں پیش کرتا ہے۔ سچل نے بھی یہی روش اپنی شاعری میں اپنائی ہے۔ سچل کا دور سیاسی سماجی تاریخی لحاظ سے سماجی تغیرات کا دور تھا ایک عظیم نئی تبدیلی کے لیے مستقبل، سچل کی دور بین آنکھوں کے سامنے کروٹیں بدل رہا تھا۔ جس کی عکاسی سچل نے علامتی انداز میں اپنے دیس واسیوں کو پیش کی، اسے

یہاں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔

سچل کے زمانے میں انگریزوں کی حکومت کی وسعت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہاوت سندھ میں عام تھی کہ ''انگریزوں کی حکومت میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا'' یہ علاقہ جو انگریز کے تسلط سے بچا ہوا تھا سچل پیشن گوئی کی روش پر چلتے ہوئے انگریز کی آمد کے خطرے کا بگل اپنے دیسیوں کے سامنے ان الفاظ کی معرفت بجاتا ہے:

وقت اها تي ويل، دوئي دور ڪرڻ جي،
ڪيد مذاهب من مان، ساجهر ساڻ سويل،
هندو مومن سان ملي محبت جا ڪر ميل،
متان ٿئي اويل، اولهه سج نه الهي (۱۳)

ترجمہ:

یہی صحیح وقت ہے کہ تو اپنے من سے مذہبی منافرت اور دوئی کو نکال کر پھینک دے یہ بات تیری ترقی کے لیے رکاوٹ ہے تو مذہبی تضادات کو چھوڑ، اپنے دیس کے ہندو اور مسلمان کو بلا مذہبی تمیز کے پیار کر اور اتحاد قائم کر، اس سے پہلے کہ وہ تمہارا حاکم بن جائے جس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ (اور سچل کی یہ پیشن گوئی جلدی ۱۸۴۳ء میں آپ کی وفات کے صرف ۲۸ سال بعد سچ ثابت ہوئی۔)

سچل کی شاعری میں موجود سات رنگ گہرے ہونے کے ساتھ مضبوط بھی ہیں اور راقم کی نظر میں، اس دنیا میں جب تک سچل کی زبان، اور ان سات رنگوں میں سے کسی ایک رنگ کو بھی اگر سمجھنے، پسند کرنے یا محسوس کرنے والے ذہن موجود ہونگے تب تک سچل کا کلام زندہ و تابندہ رہے گا۔

حوالہ جات:

۱۔ رسالو ميان سچل فقير جو، مرتب مرزا علي قلي بيگ، هر يسنگهه تاجر ڪتب سکر1902ء،ص154۔

۲۔ سچل جو ڪلام عرف عاشقي الهام، علي گوهر ابن قاضي علي درازي، سچل چيئر شاه عبداللطيف يونيورسٽي خيرپور سنڌ، سرڏنا سري 1995ء ص 85۔

۳۔ سچل جو ڪلام عرف عاشقي الهام، علي گوهر ابن قاضي علي اڪبر درازي، 1995ء، سر بلاولي ص 85۔

۴۔ ایضا، ریختہ بروو، ص

۵۔ ایضا، سر سارنگ، ص 327۔

۶۔ ایضا، سر سارنگ، ص 327۔

۷۔ ایضا، سر بلاولي جهنگلو، ص 87۔

۸۔ ایضا، سر جوگ، ص 157۔

۹۔ ایضا، سر سارنگ، ص 329۔

۱۰۔ ایضا، سربروو، ص 73۔

۱۱۔ ایضا، سر کیو هیاري، ص 303۔

۱۲۔ ایضا، سر کو هیاري، ص 301۔

۱۳۔ ایضا، سر آسا، ص 284۔

☆☆☆